بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الانسان

تحریر: محمّد نامدار خان بوزئی

۱۰ رمئی، ۲۰۰۸ م

جاننا چاہیے کہ مومنین کسی **مھدی من اللہ** کو نہ تو **Elect** کر سکتے ہیں، نہ **Select** اور نہ ہی **Nominate** کر سکتے ہیں۔ حتّٰی کہ ''اجماع مومنین'' کا بھی اس معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں۔ اسی طرح مومنین کسی **مھدی من اللہ** کو نہ تو مفاہیمِ کتب الٰہیہ واسرار و رموزِ ربانی سے آگاہ کر سکتے ہیں، نہ کسی علوم مغیبہ میں اسے **Educate** کر سکتے ہیں اور نہ ہی اُس کے فرائضِ جلیلہ کا تعین کر سکتے ہیں۔ البتہ قرآن مجید اور احادیث نبویہﷺ ضرور اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ دیگر ہادیانِ برحق کی طرح بعثتِ مہدی علیہ السلام سے متعلق تمام اوامر، صرف اور صرف اللہ سبحان و تعالیٰ کے ارادے اور حکمت عملی سے تعلق رکھتے ہیں جس کا پہلا مرحلہ اللہ تعالیٰ نے سورہ القصص میں بیان فرما دیا:

> وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَ یَخْتِیَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخَیْرَ سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَتَعٰلیٰ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (**اور تیرا رب پیدا کرتا ھے جسے چاھتا ھے اور چن لیتا ھے اس کو** [خاص مقصد کے لیے]۔ **ان لوگوں کو کوئی اختیار نھیں ھے** [اس سلسلے میں]۔ پاک ہے اللہ ان تمام چیزوں سے جس کے ساتھ وہ اس کے شریک بنتے ہیں) [سورہ القصص؛ آیت: ۶۸]

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ آیتِ کریمہ کے الفاظ نہ صرف **jurisprudance** اور چناؤ کے حق کا تعین کرتے ہیں بلکہ اللہ کی اس **چنندہ شخصیت** کو **مجتبیٰ** تسلیم کرنے کا ہم سب کو مکلّف و پابند کر دیتے ہیں۔

سورہ السجدہ کی آیت: ۵؛ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے:

یُدَبِّرُ الۡاَ مۡرَ مِنَ السَّماءِ اِلَی الۡاَرۡضِ (آسمان سے زمین کی طرف **تدبیرامر** کریگا) کے منصوبے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی آیت میں واقعات کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے فرمانِ ربّانی ہوتا ہے:

ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡهِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ (**اس کے بعدوہ اس** [زمین] **کی طرف رجوع** [توجہ] **کریگا ایک دن، جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے اُس حساب سے جو تم شمار کرتے ہو**)[السجدہ:۵]

مندرجہ بالا آیت، اللہ سبحانہ کی طرف سے اپنے پروگرام کی اطلاع بھی ہے اور ایک وعدہ بھی! اس اطلاع اور وعدہ سے استفادے کے کسی مرحلہ پر بھی اس دنیا کی معلوم و معروف عمر کے پیش نظر ''ایک ہزار سالوں'' سے مراد ''دسویں صدی'' تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی مانع نظر نہیں آتا ہے۔ مگر اس صورتحال کو تسلیم کر لینے کے بعد دو اہم سوالات پیدا ہو جاتے ہیں:

(الف) کیا نزولِ قرآن کی ابتداء کے بعد کی دسویں صدی میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق ''**تدبیرامر**'' کی غرض سے اس کرہ ارض کی طرف مراجعت کی تھی؟

(ب) کیا اُس نے اپنی مخلوق کو اپنے الطافات و اکرامات یا کسی رحمت سے نوازہ تھا اور اگر ایسا ہوا تھا تو یہ **رحمت یا الطافات و اکرامات** کس شکل میں ظہور پذیر ہوئے تھے؟

مذکورہ بالا سوالات، بہت ہی اہم سوالات ہیں جس کی طرف موجودہ دور کے علمائے اسلام نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اور جنہوں نے توجہ دی ان لوگوں پر یا تو بددیانتی غالب آ گئی ہوگی یا کم علمی و کوتاہ بصیرت! حالانکہ سورہ السجدہ کی محولہ آیت میں مذکور ''یوم''، اُس ''یوم'' سے بہت مختلف ہے جس کا تذکرہ سورہ المعارج کی آیت: ۴ میں کیا گیا۔ جس میں کہ اس یوم کی میعاد ہماری گنتی کے اعتبار سے پچاس ہزار برس بتائی گئی ہے اور جس کا تعلق فرشتوں اور ''الرّوح'' سے بتایا گیا ہے۔

آیت ملاحظہ فرمائیں:

تَعرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ (جس کی طرف فرشتے اور الرّوح رجوع کرتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔)[المعارج:۴]

پس اس آیت کی موجودگی میں کسی قسم کے ابہام یا **confusion** کا سوال پیدا نہیں ہوتا!

جہاں تک ''تدبیرامر'' کی غرض سے اس کرہ ارض کی طرف اللہ تعالیٰ کی ''مراجعت'' کا تعلق ہے، یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اگر اس کا تعلق بندوں کی ''ہدایت، انذار وبشارات'' کی **تعلیم** سے ہو تو جان لیں کہ یہ ''تدبیرامر'' کسی مہدی من اللہ کی بعثت کی شکل میں مَن حیثِ ''**حکم**'' ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جس کے بعد لازم ہوجاتا ہے کہ سارے عالم کی ''مخلوقَ ناطق'' اس شخصیت کو ''**مفترض الاطاعت**'' تسلیم کرے اور بہ حیثیت ماموری من اللہ، اس کی ''تصدیق'' کرے! اس مبعوث کردہ شخص کی مدد وتائید کے لیے اللہ تعالیٰ ''روح مّنہ'' کو ملائیکہ کے ساتھ بھیجتا ہے۔ اس اہتمام کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ہدایت، انذار وبشارات کے مبلغ اور اس کے اصحاب کی پوشیدہ طور پر قلبی مدد وتائید، عملِ صالح اور استقامت فی الدین کی ترغیب وہمت افزائی کے علاوہ داعی الی اللہ کی معصومیت کا تحفظ کیا جاتا ہے! چنانچہ اس ''مجتبیٰ'' کے ذریعہ سے پھیلنے والی رشد وہدایت کی روشنی مخلوق کے لیے ''رحمت'' و ''الطافات واکراماتِ الٰہیہ'' تسلیم ہوتی ہے!

ان اہم اوامر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم دوبارہ سے سورہ السجدہ کی آیتِ کریمہ میں مذکورہ ''یَــوْمَ'' کی طرف آتے ہیں اور اس 'یَــوْمَ' کے دورانیہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ پچھلے صفحات پر بیان کیئے گئے سوالات کا جواب تلاش کریں۔

عالم اسلام واقف ہے کہ دسویں صدی ہجری یعنی اس مخصوص ''**یوم**'' کا سب سے اہم واقعہ حضرت سیّد محمد بن عبداللہ بن سید عثمان شیرازی کا سنہ ۹۰۱ھ میں، خانہ کعبہ میں مقامِ ابراہیمؑ ورکن کے درمیان [باذن اللہ] دعوے مہدیت تھا! سنہ ۹۰۱ ہجری دراصل حضور اکرم ﷺ کے دعوے نبوت کے

سال کے اعتبار سے نوسو چودہواں (۹۱۴) سال اور نبی کریم ﷺ کے سنہ پیدائش کے اعتبار سے (۹۵۴) نوسو چوونواں سال قرار پاتا ہے، یعنی خانہ کعبہ میں کیا ہوا دعویٰ مھدیت، نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے سال کے اعتبار سے دسویں صدی کے آخری نصف میں متعین ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ (اس کے بعد وہ اس [زمین] کی طرف رجوع کریگا [یعنی متوجہ ہوگا اس زمین کی طرف]) کے منصوبے پر عمل کا آغاز اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق دسویں صدی ہجری میں شروع کر دیا تھا۔ جو کہ اس زمین کی طرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی توجہ کا ایک واضح ثبوت ہے! اس طرح مذکورہ حقائق ہمیں ہمارے پہلے سوال کا جواب مہیا کر دیتے ہیں۔

ایک اور امر جو ہم پر سورۃ الشوریٰ کی آیت:۴۹ کے ذریعے واضح کیا گیا، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تین طریقوں سے انسان سے مخاطب ہوتا ہے۔ پردے کے پیچھے سے یا کسی فرستادہ فرشتہ کے واسطہ سے یا راست وحی کے ذریعہ سے۔ چنانچہ دسویں صدی میں بھیجے جانے والے ''**مجتبیٰ**'' سے کیے جانے والا تکلّم، راست و ''**بلاواسطه**'' کیا گیا تھا۔ سورہ الرحمٰن کی ابتدائی آیات میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلق الانسان [ایک معروف انسان کو پیدا کیا] کی حقیقت بیان کرنیکے بعد علّمه البیان [اس نے تعلیم دی اس کو البیان کی] کے عمل کا تذکرہ آیا جو کہ الرَّحمٰن کی طرف سے اُس **مخصوص و معروف انسان** کی تخلیق اور **قرآن کے بیان کی بلا واسطه تعلیم** کی طرف واضح اشارہ ہے۔ چنانچہ سورہ الشوریٰ کی محولہ آیت میں مذکور طریقہ کار کے تحت مومنین اس مخصوص انسان کو **متعلم باللہ** اور **مبیّنِ قرآن** تسلیم کرنے کے مکلّف قرار پاتے ہیں۔

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ سورہ الرحمٰن کی مذکورہ بالا آیات میں ہر دو جگہ یعنی الانسان اور البیان میں؛ الف، لام معروفہ ہے جو الفاظ کو proper noun [اسم معروفہ] بنا دیتا ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس بارے میں دورِ حاضر کے اکثر مفسرین سے تسامع ہوا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے آیتِ کریمہ ثمّ انّا علینا بیانه کے صحیح مفہوم، سیّاق و سبّاق اور متعلقہ احادیث سے صرفِ نظر کیا اور الف، لام کے سبب لفظ الانسان کو استغراقی معنوں کا جامہ پہنا دیا!

راقم الحروف کے خیال میں سورہ الرّحمٰن کی مذکورہ دو آیات کی تسلّی بخش وضاحت وتشریح کے لیے اس سورہ کی ابتدائی چار آیات کا صحیح ترجمہ وتاویل نہایت ضروری ہے؛ فرمانِ ربّانی ہے:

اَلرَّحْمٰنُ (الرّحمٰن [نے]) **عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ** (قرآن کی تعلیم دی)
خَلَقَ الْاِنْسَانَ (اُس نے پیدا کیا ایک [معروف] انسان کو)
عَلَّمَهُ الْبَیَانَ (اس نے اس [انسان] کو [اس کے مخصوص] بیان کی تعلیم دی۔ [اس توضیح کا ماخذ میاں عبدالغفور سجاوندیؒ کا رسالہ ''ہژدہ آیات'' ہے]

اس طرح **ثُمَّہَ اِنَّا عَلَیْنَا بَیَانَهٗ** (بیشک دوبارہ سے اس [قرآن] کا بیان ہماری ذمہ داری ہے) کے وعدے کے پس منظر میں یہاں یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ درجِ بالا پہلی دو آیات ایک خاص دور کے واقعات سے تعلق رکھتی ہیں اور اُس تاریخی دور کے اتمام وتکمیل کا اظہار بھی کرتی ہیں جبکہ بعد کی دو [آیات: ۳ اور ۴] ایک اور زمانے سے تعلق رکھتی ہیں جس میں مزید ایک اور امرِ الٰہی کی تکمیل ہوتی ہے! بالفاظِ دیگر ''زمانہ'' کے لحاظ سے پہلا دور، وہ دور تھا جب اللہ سبحان وتعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ پر قرآنِ مجید نازل کیا اور ان کو قرآن کی تعلیم سے نوازہ۔

جب وہ دور ختم ہوا یعنی جب تاریخ کا ایک اہم باب تکمیل کو پہنچ گیا تو ایک طویل عرصے کے بعد دوسرے دور کی ابتداء ہوئی۔ (کیونکہ لفظِ ثُمّہ تاخیر کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے) اس دوسرے دور میں [اللہ سبحان وتعالیٰ نے] ایک معروف ومخصوص انسان پیدا کیا جسے قرآن کے خاص بیان کی تعلیم دی گئی تاکہ **ثُمَّہَ اِنَّا عَلَیْنَا بَیَانَهٗ** کے وعدے اور امرِ الٰہیہ کی تکمیل ہوجائے!

یہ ''تعلیم'' کیا جانے والا بیان جو کہ اللہ تعالیٰ کی عین مراد ومنشاء تھا؛ اس معروف ومخصوص انسان کے ذریعہ سے امت محمدیہ تک دوبارہ سے پہنچایا گیا جو کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ''رحمتِ واکرام والطافات'' کا عمل تھا تاکہ عذاب سے قبل اللہ کے عدل کے تقاضوں کے تحت ''**قیامِ الساعة**'' کی ایک اور شرط پوری ہوجائے! ہماری یہ تشریح دوسرے سوال کا جواب مہیا کردیتی ہے!

یہاں مزید سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ آیتِ کریمہ میں مذکور''انسان''ایک **معروف و خاص** انسان کس بنیاد پر تسلیم کیا جائیگا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ تشخص و تعارف تعریضی انداز میں نصوصِ قرآنی واحادیثِ نبویﷺ سے ثابت ہے! ذیل میں ہم صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں :

[ا] آیت: ۱۷، سورہ ہود میں تعریضی انداز میں بتایا گیا کہ وہ شخص **علیٰ بیّنہ من رّبہٖ** یعنی اپنے رب کیطرف سے واضح دلیل پر ہوگا۔

[۲] اُسی شخصیت کو آیت: ۱۹، سورہ انعام میں منۢ بلغ کی تاویل کے تحت''نذیرِ ثانی'' متعارف کروایا گیا ہے!

[۳] آیت: ۱۰۸، سور یوسف میں اُس ذاتِ مقدس کو''**من اتبعنی**''کے تعریضی الفاظ میں تابع تام رسول اللہﷺ اور رسول اللہﷺ کی طرح''**داعی الاللہ علیٰ بصیرة**''[**بصیرة** کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والا]متعارف کروایا گیا۔

اب ہم اسی سلسلہ کی چند ایک احادیثِ نبویﷺ پیش کرتے ہیں۔ملاحظہ ہوں!

[ا] **لا تنقضی الد نیا حتی یبعث اللہ رجلاً من امّتی یو اطیء اسمہ اسمی** (<u>دنیا ختم نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ بعثت کردے اللہ ایک مردِ کی میری امت سے جس کا نام میرا نام ہوگا</u>)[صفحہ:۲۴۵؛جلدِ اوّل کتاب :المھد ی المنتظر ،ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی۔واضح رہیکہ کتاب عربی میں ہےاوراس حدیث کا مترجم راقم الحروف ہے]

[۲] **کیف تھلک امتی انا فی اوّلھا عیسیٰ ابنِ مریم فی آخرھا و المھدی من عترتی فی وسطھا** (میری امت کیونکر ہلاک ہوسکتی ہے؟ میں پہلے ہوں اس[امت] کے، عیسیٰ ابنِ مریم آخر میں ہیں اس کے اور المھد ی میری عترت سے درمیان میں ہیں اسی [امت] کے) [بحوالہ: المشکوٰ ة،سنن ابی داوٗد]

ڈاکٹر عبدالعلیم البستوی ہی کی کتاب: المھد ی المنتظر [عربی] (جلداوّل ،صفحہ: ۳۴۵، حدیث: ۴۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتی ہے:

[۳]لو لم یبق من الدنیا الّا یوم لطول اللہ ذٰلک حتی یلی رجل من آل محمّد ﷺ (اگر چہ کہ دنیا کے خاتمہ کے لیے ایک دن ہی باقی رہ جائے۔اس [دن] کوطویل کر دیگا اللہ؛ حتیٰ کہ والی ہوجائے گا [ولایتِ محمّدیہ کا] ایک مردآلِ محمّد ﷺ سے ۔ [اس حدیث کا اردو ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے]

(یہاں اس ضمنی بات کی وضاحت ضروری محسوس ہورہی ہے کہ اس حدیث کی غلط تاویل کی بنیاد پر ''المہدی'' کاوالیِ عرب ہوجانا؛اس کی شناخت و سچائی کی بنیاد مشتہر کیا جاتارہا ہے۔کیااب مسلمانوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اللہ جلّ شانہُ نے تو ''دینِ اسلام''کی نبوت و رسالت کو نبی مقدس ﷺ کی ولایت گردانا ہے؟خود نبی کریم ﷺ نے کبھی اپنے آپ کو عرب کی ولایت کا والی نہیں متعارف کروایااور نہ ہی بحیثیت والیِ عرب،والیان عجم کو دعوة کے خطوط لکھے تھے!)

پس ثابت ہوا کہ سورہ الرّحمٰن میں مذکور''**الانسا ن**'' سے مراد ایک معروف ومخصوص انسان ہے جسے''انسانِ کامل (مثنّیٰ)''ہونے کا شرف بھی حاصل ہے کیونکہ وہ تابع تام محمّد مصطفیٰ ﷺ و نبیکے علاوہ نبی کریم ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث کے تحت ''**ولایتِ محمدیہ**'' کا والی ہے!

(والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃالسلام علی جمیع انبیاء ومرسلین)